3

کمیّت اور کیفیّت دونوں لحاظ سے ترقی ضروری ہے

(فرمودہ 15 جنوری 1943ء)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

"کسی جماعت کی ترقی کے لئے دو قسم کی ترقیات ضروری ہوتی ہیں۔ ایک تو اس کی کمیّت کی ترقی یعنی ایک سوال اس کی تعداد بڑھانے کا ہوتا ہے کیونکہ اگر کسی اچھی سے اچھی قوم کی تعداد نہ بڑھے تو اس کی برکات و فوائد سے دنیا فائدہ نہیں اٹھاسکتی۔ دوسری ترقی کیفیت کی ترقی ہوتی ہے۔ تعداد خواہ کتنی زیادہ ہو اگر اس قوم کی حالت اچھی نہ ہو تو اس کا بڑھنا بھی خرابی ہی کا موجب ہوتا ہے۔ دنیا کے لئے آرام و فائدہ کا موجب نہیں ہو سکتا۔ خالی پڑی ہوئی زمینوں میں بعض اوقات آک اُگ آتے ہیں اور ان کے بیج پھیلتے چلے جاتے ہیں۔ بظاہر وہ ایک کھیتی ہے جو بڑھتی جاتی ہے مگر اس کا اتنا بھاری نقصان ہوتا ہے کہ وہ ملک جس میں آک پیدا ہو جائیں بعض اوقات صدیوں تک قحط کا شکار ہو جاتے ہیں کیونکہ آک کو مار دینا اور اس کی جڑوں کو زمین سے نکال دینا آسان کام نہیں ہوتا۔ پس بظاہر گو یہ ایک زیادتی ہوتی ہے مگر فائدے کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ ایک کمی ہے۔ انسانی جسم کتنا قیمتی سمجھا جاتا ہے لیکن اگر کسی کے جسم میں پانچ کی بجائے چھ انگلیاں پیدا ہو جائیں تو وہ خوش نہیں ہوتا کہ میری چھ انگلیاں ہیں بلکہ اسے ایک عیب سمجھتا اور اسے چھپانے کی کوشش کرتا ہے۔ جب کسی کے ماتھے پر یا سینے پر یا پیٹ پر یا رانوں پر یا ہاتھ پر رسَولی نکل آئے تو وہ اس پر خوش نہیں ہوتا کہ میرے گوشت میں

زیادتی ہو گئی بلکہ اسے نکلوانے پر سینکڑوں ہزاروں روپیہ خرچ کر دیتا ہے کیونکہ یہ زائد گوشت مفید نہیں بلکہ مضر ہوتا ہے۔ اس طرح جب کسی کی ہڈیوں میں خم پیدا ہو جائے، وہ بڑھ جائیں اور انسان کُبڑا ہو جائے تو وہ اس پر خوش نہیں ہوتا کہ میرا جسم بڑھ گیا بلکہ ہڈیوں کے خم اور ان کی زیادتی کو دور کرنا چاہتا ہے۔ تو بڑھنا ہر حالت میں اچھا نہیں ہوتا۔ اس وقت بڑھنا اچھا ہوتا ہے جب بڑھوتی انسان کے اپنے لئے اور دوسروں کے لئے مفید ہو رہی ہو۔ اگر وہ بڑھوتی اس کے لئے اور اس کے ہم جنسوں کے لئے مفید نہیں تو وہ خود بھی اور اس کے ہم جنس بھی یہی کوشش کریں گے کہ اسے روک دیں۔

جن جماعتوں کی زیادتی دنیا کے لئے مفید ہو اللہ تعالیٰ بھی ان کی بڑھوتی پر خوش ہوتا ہے اور بنی نوع انسان بھی ان کے بڑھنے کے لئے دعائیں کرتے ہیں۔ صحابہؓ نے جس وقت رومی حکومت کے ساتھ مقابلہ کیا اور بڑھتے بڑھتے یروشلم پر جو عیسائیوں کی مذہبی جگہ ہے قابض ہو گئے اور پھر اس سے بھی آگے بڑھنا شروع ہوئے تو عیسائیوں نے یہ دیکھ کر کہ ان کا مذہبی مرکز مسلمانوں کے ہاتھ آگیا ہے ان کو وہاں سے نکالنے کے لئے آخری جدوجہد کا ارادہ کیا اور چاروں طرف مذہبی جہاد کا اعلان کر کے عیسائیوں میں ایک جوش پیدا کر دیا گیا۔ اور بڑی بھاری فوجیں جمع کر کے اسلامی لشکر پر حملہ کی تیاری کی۔ ان کے اس شدید حملہ کو دیکھ کر مسلمانوں نے جو ان کے مقابلہ میں نہایت قلیل تعداد میں تھے عارضی طور پر پیچھے ہٹنے کا فیصلہ کیا اور اسلامی سپہ سالار نے حضرت عمرؓ کو لکھا کہ دشمن اتنی کثیر تعداد میں ہے اور ہماری تعداد اتنی تھوڑی ہے کہ اس کا مقابلہ کرنا اس لشکر کو تباہ کرنے کے مترادف ہے۔ اس لئے آپ اگر اجازت دیں تو جنگی صف بندی کو سیدھا کرنے اور محاذ جنگ کو چھوٹا کرنے کے لئے اسلامی لشکر پیچھے ہٹ جائے تا تمام جمعیت کو یکجا کر کے مقابلہ کیا جا سکے اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ ہم نے ان علاقوں سے جو فتح کر رکھے ہیں لوگوں سے ٹیکس بھی وصول کیا ہوا ہے۔ اگر آپ ان علاقوں کو چھوڑنے کی اجازت دیں تو یہ بتائیں کہ اس ٹیکس کے متعلق کیا حکم ہے۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ محاذ کو چھوٹا کرنے اور اسلامی طاقت کو یکجا کرنے کے لئے پیچھے ہٹنا اسلامی تعلیم کے خلاف نہیں لیکن یہ یاد رکھو کہ ان علاقوں کے لوگوں سے ٹیکس اس شرط پر وصول کیا گیا تھا کہ

اسلامی لشکر ان کی حفاظت کرے گا اور جب اسلامی لشکر پیچھے ہٹے گا تو اس کے یہ معنے ہوں گے کہ وہ ان علاقوں کی حفاظت نہیں کر سکے گا۔ اس لئے ضروری ہے کہ جس سے جو کچھ وصول کیا گیا ہے وہ اسے واپس کر دیا جائے۔ جب حضرت عمرؓ کا یہ حکم پہنچا تو اسلامی سپہ سالار نے ان علاقوں کے زمینداروں اور تاجروں اور دوسرے لوگوں کو بلا بلا کر ان سے وصول شدہ رقوم واپس کر دیں اور ان سے کہا کہ آپ لوگوں سے یہ رقوم اس شرط پر وصول کی گئی تھیں کہ اسلامی لشکر آپ لوگوں کی حفاظت کرے گا مگر اب جب کہ ہم دشمن کے مقابلہ میں اپنے آپ کو کمزور پاتے ہیں اور کچھ دیر کے لئے عارضی طور پر پیچھے ہٹ رہے ہیں اور اس وجہ سے آپ لوگوں کی حفاظت نہیں کر سکتے ان رقوم کو اپنے پاس رکھنا درست نہیں۔ یہ ایسا نمونہ تھا کہ جو دنیا کی تاریخ میں اور کسی بادشاہت نے نہیں دکھایا۔ بادشاہ جب کسی علاقے سے ہٹتے ہیں تو بجائے وصول کردہ ٹیکس وغیرہ واپس کرنے کے ان علاقوں کو اور بھی لوٹتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اب تو یہ علاقے دوسرے کے ہاتھ میں جانے والے ہیں ہم یہاں سے جتنا زیادہ فائدہ اٹھا سکتے ہیں اٹھا لیں۔ پھر چونکہ انہوں نے وہاں رہنا نہیں ہوتا اس لئے بدنامی کا بھی کوئی خوف ان کو نہیں ہوتا اور اگر کوئی اعلیٰ درجہ کی منظم حکومت ہو تو وہ زیادہ سے زیادہ یہ کرتی ہے کہ خاموشی سے فوجوں کو پیچھے ہٹا دیتی ہے اور زیادہ لوٹ مار نہیں کرنے دیتی۔ لیکن اسلامی لشکر نے جو نمونہ دکھایا جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے صرف حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ہی نظر آتا ہے۔ بلکہ افسوس ہے کہ بعد کے زمانہ کو بھی اگر شامل کر لیا جائے تو اس کی کوئی اور مثال دنیا میں نہیں ملتی کہ کسی فاتح نے کوئی علاقہ چھوڑا ہو تو اس علاقہ کے لوگوں سے وصول کردہ ٹیکس اور جزیے اور مالیے واپس کر دیے ہوں۔ اس کا عیسائیوں پر اتنا اثر ہوا کہ باوجودیکہ ان کی ہم مذہب فوجیں آگے بڑھ رہی تھیں، حملہ آور ان کی اپنی قوم کے جرنیلوں، کرنیلوں اور افسروں پر مشتمل تھے اور سپاہی ان کے بھائی بند تھے اور باوجود اس کے کہ اس جنگ کو عیسائیوں کے لئے مذہبی جنگ بنا دیا گیا تھا اور باوجود اس کے کہ عیسائیوں کا مذہبی مرکز جو ان کے قبضہ سے نکل کر مسلمانوں کے ہاتھ میں جا چکا تھا اب اس کی آزادی کے خواب دیکھے جا رہے تھے۔ عیسائی مرد اور عورتیں گھروں سے باہر نکل نکل کر روتے اور دعائیں کرتے تھے کہ مسلمان پھر واپس

آئیں۔1 یہ وہ حکومت تھی جس کے لئے لوگوں کے دلوں سے دعائیں نکلتی تھیں۔ آسمان کے فرشتوں نے بھی کہا کہ ان لوگوں کو لمبی حکومت کرنے کا موقع دیا جائے۔ یہ حکومت تو صرف تیس سال تک ہی رہی جو اسلامی اصول کے مطابق قائم تھی مگر اس کی جڑیں اتنی مضبوط تھیں کہ بڑے بڑے ظالم بادشاہوں نے بھی اس کی جڑیں اکھیڑنے کا کام ایک ہزار سال میں کیا اور اتنے طویل عرصہ کے بعد اس کا خاتمہ کر سکے۔ دنیا میں بہت کم کسی قوم نے اتنی لمبی حکومت کی ہے جتنی مسلمانوں نے کی۔ عیسائی حکومتوں کا زور اٹھارہویں صدی کے آخر میں شروع ہوا ہے مگر ابھی ان پر ڈیڑھ پونے دو سو سال کا عرصہ ہی گزرا ہے کہ وہ لڑکھڑا رہی ہیں مگر مسلمانوں نے قریباً ایک ہزار سال تک نہایت شان و شوکت کے ساتھ حکومت کی ہے۔ اور یہ اثر اس تیس سالہ اسلامی حکومت کا تھا۔ بعد میں گو مسلمانوں میں بھی بعض ظالم اور جابر بادشاہ ہوئے مگر نیکی کی جڑیں قائم رہیں اور ان سے نیک پودے بھی پیدا ہوتے رہے۔ جس طرح بعض درخت گو کٹ جاتے ہیں مگر ان کی جڑوں سے نئی روئیدگی پیدا ہوتی رہتی ہے۔ اس روئیدگی میں سے صدیوں بعد ایک بادشاہ پیدا ہوا جس کا ذکر عیسائی مؤرخ گبن نے کیا ہے وہ عیسائی مؤرخوں میں سے نسبتاً کم متعصب مؤرخ ہے اور عیسائیت کا بڑا مؤرخ مانا جاتا ہے۔ اس نے رومی حکومت کی ترقی اور تنزل پر ایک کتاب لکھی ہے جس میں وہ ایک اسلامی بادشاہ ملک ارسلان کا ایک واقعہ بیان کرتا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ وہ 18، 19 سال کی عمر کا ایک نوجوان شہزادہ تھا جب اس کا باپ فوت ہوا وہ ولی عہد تھا مگر چھوٹی عمر کا تھا۔ اس لئے کئی لوگوں نے بغاوت کر کے ملک کو تقسیم کرنا چاہا۔ اس کا چچا بھی صاحب اثر و رسوخ تھا۔ اس نے الگ بادشاہی کا دعویٰ کر دیا اور بہت سے لوگ اس کے ساتھ شامل ہو گئے۔ ایک اس کا سوتیلا بھائی تھا جس کے ماموں بہت طاقتور تھے وہ اسے بادشاہ بنانے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے اپنے اس بھانجے کے نام پر بغاوت کر دی۔ ادھر سے اس نے بھی کچھ فوجیں جمع کیں۔ گویا تین فوجیں ایک دوسرے کے مقابلے پر تھیں۔ جس دن جنگ ہونے والی تھی اس نوجوان کے وزیر نے جو شیعہ تھا اور جس کا نام نظام الدین طوسی تھا اس سے کہا کہ آپ کے چچا کی طاقت بہت بڑی ہے اور آپ کے بھائی کے ماموں بھی بہت طاقتور ہیں اور انہوں نے بھی بڑی فوج جمع کر لی ہے

اور وقت ایسا نازک ہے کہ ظاہری تدابیر سب ہیچ نظر آتی ہیں۔ اس وقت علاوہ فوجی طاقت کے آسمان کی مدد بھی آپ کے لئے بہت ضروری ہے۔ اس لئے آپ میرے ساتھ حضرت موسیٰ رضا کی قبر پر چل کر دعا کریں کہ ان کے طفیل اللہ تعالیٰ آپ کی مدد کرے۔ اس کی غرض اس سے یہ تھی کہ اس کے دل پر شیعیت کا اثر ڈالوں۔ گبن کہتا ہے کہ مسلمان بے شک کافر ہیں اور بڑی وحشی قوم ہے مگر اس واقعہ کو دیکھ کر شرم کے مارے میرا سر ندامت کے مارے جھک جاتا ہے کہ جو عدل وانصاف کا نمونہ اس قوم سے تعلق رکھنے والے ایک نوجوان نے دکھایا ہماری قوم کے کسی بوڑھے بادشاہ کی زندگی میں بھی اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ اس کا وزیر اسے موسیٰ رضا کی قبر پر لے گیا اور وہ دونوں وہاں جا کر خدا تعالیٰ کے حضور سجدہ میں گر گئے اور خدا تعالیٰ سے دعا مانگنی شروع کی۔ دونوں نے اپنے اپنے رنگ میں دعا کی اور دعا کے بعد جب کھڑے ہوئے اور آنسو پونچھے تو اس نوجوان شہزادہ نے وزیر سے سوال کیا کہ تم نے کیا دعا مانگی۔ اس نے کہا میں نے یہ دعا مانگی ہے کہ اے خدا تو جانتا ہے کہ یہ شہزادہ تخت وتاج کا حقدار ہے، ولی عہد ہے، اس کا باپ مر گیا ہے اور لوگوں نے اس کے خلاف بغاوت کر دی ہے تو اسی بزرگ کے طفیل اس پر رحم کر۔ یہ سن کر اس نوجوان شہزادے نے کہا کہ میں نے تو یہ دعا نہیں مانگی۔ وزیر نے عرض کیا کہ پھر آپ نے کیا دعا مانگی ہے؟ اس نے کہا کہ میں نے تو یہ دعا مانگی ہے کہ اے خدا مجھے معلوم نہیں کل کو مَیں ملک و وطن کے لئے کیسا ثابت ہوں۔ ممکن ہے ظالم ثابت ہوں اور ممکن ہے میری ذات سے ملک کو اور اسلام کو کوئی صدمہ پہنچے اور ممکن ہے میرے چچا یا بھائی کے ہاتھوں سے ملک کو اور اسلام کو کوئی فائدہ پہنچے۔ اس لئے کل کی جنگ میں تُو اسے فتح دیجیو جس کے ہاتھ سے ملک اور اسلام کو فائدہ پہنچنے والا ہو۔ یہ وہ لوگ تھے جن کو اس تیس سالہ دور عدل وانصاف کی جڑوں سے پھوٹنے والی نئی کونپلیں کہا جا سکتا ہے اور جن کی وجہ سے مسلمانوں کو اتنی لمبی حکومت کا موقع ملا۔ آج اسلام کی ترقی کے لے ہم جتنی کیفیت میں ترقی کریں گے تقویٰ، نیکی، دیانتداری راستبازی اور عدل وانصاف میں ترقی کریں گے اتنی ہی دنیا کی دعائیں ہمارے حق میں بڑھتی جائیں گی اور خدا تعالیٰ کے عرش سے فضل کو ہمارے لئے کھینچیں گی۔ لیکن اگر یہ دعائیں ہمارے لئے نہ ہوں گی تو نہ زمین سے ہماری ترقی کے سامان

ہوں گے نہ آسمان سے۔

دوسری طرف کمیّت میں ترقی بھی ضروری ہے۔ اگر ہم تعداد میں ترقی نہ کریں تو بھی دنیا کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کتنے عظیم الشان انسان تھے لیکن اگر آپ غارِ حرا ہی میں ساری عمر دعائیں کرتے کرتے فوت ہو جاتے تو آپ کی جڑوں سے ابو بکر، عمر، عثمان، علی اور طلحہ، زبیر رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ جیسے لوگ کبھی نہ پیدا ہو سکتے اور اس صورت میں دنیا آپ کی برکات سے کس طرح حصہ لے سکتی۔ آپؐ کی ذات میں بے شمار خوبیاں تھیں۔ مگر آپ کی مثال ایک جڑ کی تھی اور اس جڑ کے خوشبودار پھول ابو بکر، عمر، عثمان اور علی رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وغیرہ تھے۔ اگر اس جڑ سے یہ خوشبودار پھول پیدا نہ ہوتے تو دنیا اس سے زیادہ فائدہ نہ اٹھا سکتی۔ آم کتنا اچھا پھل ہے لیکن اگر دنیا میں ایک ہی آم ہوتا تو دنیا اس سے کیا فائدہ اٹھا سکتی۔ مشک اور عنبر وغیرہ کتنی مفید چیزیں ہیں لیکن اگر دنیا میں ایک دو ہرن ہی ایسے ہوتے جن سے مشک حاصل ہو سکتا یا ایک دو مچھلیاں ہوتیں جن سے عنبر حاصل ہوتا تو سوائے ایک دو بڑے بڑے بادشاہوں کے کوئی اس سے فائدہ نہ اٹھا سکتا۔ جب تک کوئی مفید اور اچھی چیز عام لوگوں کو میسر نہ آسکے اس کی اچھائی کسی کام کی نہیں۔ گندم، چاول اور گوشت کتنی اچھی چیزیں ہیں لیکن اگر دنیا میں صرف دو چار ہی بکرے ہوتے، اگر دو چار من ہی گندم یا چاول دنیا میں ہوتے تو لوگ ان سے کیا فائدہ اٹھا سکتے۔ ان کی کثرت ہی ان کی خوبیوں کو ظاہر کرتی ہے۔ اگر کثرت نہ ہوتی تو خوبی اندر ہی اندر مر جاتی۔ اسی طرح جب تک کسی جماعت کی تعداد نہیں بڑھتی وہ دنیا کو نفع نہیں پہنچا سکتی۔ دنیا کو نفع پہنچانے کے لئے ضروری ہے کہ تعداد بڑھے۔ قرآن کریم نے کلمہ کی مثال اس درخت سے دی ہے جس کی جڑیں زمین میں ہوں اور شاخیں آسمان میں پھیلی ہوئی ہوں اور لوگ اس کے سایہ میں آرام کر سکیں۔2 کیفیت کی مضبوطی جڑ پر دلالت کرتی ہے اور صرف جڑ کی مضبوطی کافی نہیں۔ عمدہ سے عمدہ درخت کا اوپر کا جھاڑ اگر کاٹ دیا جائے تو دنیا اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتی۔ اسی طرح کسی عمدہ سے عمدہ درخت کی جڑ اگر مضبوط نہ ہو تو وہ بھی دنیا کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ یہ دونوں چیزیں نہایت ضروری ہیں۔

پس ایک طرف ہماری جماعت کو نیکی، تقویٰ، عبادت گزاری، دیانت، راستی اور عدل و انصاف میں ایسی ترقی کرنی چاہیئے کہ نہ صرف اپنے بلکہ غیر بھی اس کا اعتراف کریں۔ اسی غرض کو پورا کرنے کے لئے میں نے خدام الاحمدیہ، انصار اللہ اور لجنہ اماء اللہ کی تحریکات جاری کی ہیں۔ گو میں نہیں کہہ سکتا کہ ان میں کہاں تک کامیابی ہو گی۔ بہر حال یہی ایک ذریعہ مجھے نظر آیا جو میں نے اختیار کیا اور ان سب کا یہ کام ہے کہ نہ صرف اپنی ذات میں نیکی قائم کریں بلکہ دوسروں میں بھی پیدا کرنے کی کوشش کرتے رہیں۔ اور جب تک حتمی طور پر جبر و ظلم تعدی، بد دیانتی، جھوٹ وغیرہ کو نہ مٹا دیا جائے اور جب تک ہر امیر غریب اور چھوٹا بڑا اس ذمہ داری کو محسوس نہ کرے کہ اس کا کام صرف یہی نہیں کہ خود عدل و انصاف قائم کرے بلکہ یہ بھی کہ دوسروں سے بھی کرائے، خواہ وہ افسر ہی کیوں نہ ہو، ہماری جماعت اپنوں اور دوسروں کے سامنے اچھا نمونہ قائم نہیں کر سکتی۔ اسی طرح اگر جماعت تعداد کے لحاظ سے بھی ترقی نہ کرے تو دنیا فوائد حاصل نہیں کر سکتی۔ وہ بادل جو صرف ایک گاؤں پر برس جائے اتنا مفید نہیں ہو سکتا۔ اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا بادل قادیان یا زیادہ سے زیادہ چند بستیوں پر برس جائے اور چند کھیت ہی اس سے فائدہ اٹھائیں تو یہ امر یاد رکھے جانے کے قابل نہیں ہو گا لیکن اگر وہ دنیا کے تمام ممالک پر اپنی بارانِ رحمت کے چھینٹے برسا کر شاداب کر دے تو دنیا اس کے نام کو عزت اور احترام سے یاد رکھے گی۔ پس ہمارا سب سے اہم فرض یہ ہے کہ اس پیغام کو جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ نازل ہوا دنیا کے کناروں تک پہنچائیں۔ مجھے افسوس ہے کہ ہمارا محکمہ تبلیغ بھی اس کام کی اہمیت کو پوری طرح نہیں سمجھتا۔ اس کا زور اتنا ہی ہے جتنا تین چار گاؤں کی پنچائت کا ہوتا ہے۔ نہ محکمہ تبلیغ میں وہ جوش ہے، نہ مبلغوں میں اور نہ جماعتوں میں۔ ابھی چند لوگوں کو جماعت میں داخل کر کے ہم خوش ہو جاتے ہیں۔ میں نے الفضل میں پڑھا کہ پیغامیوں کے ساتھ سارے سال میں صرف دو سو اشخاص شامل ہوئے ہیں اور ہماری جماعت میں دو ہزار۔ مگر کیا کبھی تم نے یہ بھی سوچا کہ سال میں دو ہزار کے معنے ہیں ایک صدی میں دو لاکھ۔ ایک سو صدی یعنی دس ہزار سال میں دو کروڑ اور یہ بھی کوئی تعداد ہے۔ ہمارے لئے سال میں دو تین بلکہ چار ہزار احمدی بنانا تو افسوس کی بات ہونی

چاہیے۔ جب تک جماعت کے ہر فرد کے اندر یہ آگ نہ ہو کہ اس نے ہر ایک اپنے قریب بلکہ بعید کے شخص کو بھی جماعت میں داخل کرنا ہے اور جب تک لوگ افواج در افواج احمدیت میں داخل نہ ہوں ہماری حیثیت محفوظ نہیں ہو سکتی اور ذمہ داری ختم نہیں ہو سکتی۔

پس میں ان دونوں امور کی طرف پھر جماعت کو توجہ دلاتا ہوں۔ ہر ضلع میں ہمارے جلسے ہونے چاہئیں۔ متواتر انفرادی تبلیغ بھی نہایت ضروری ہے مگر تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ جلسوں کے بغیر وہ جوش جماعت میں پیدا نہیں ہوتا جو انفرادی تبلیغ کے لئے ضروری ہے۔ پس کوشش کی جائے کہ کم سے کم ہر سال ہر تحصیل میں ہمارا جلسہ ضرور ہو۔ پھر اس کے ساتھ انفرادی تبلیغ کو بھی منظم کیا جائے خصوصیت سے اضلاع گورداسپور، سیالکوٹ اور گجرات میں۔ ان تینوں اضلاع کی طرف خصوصیت سے توجہ دی جائے۔ گورداسپور کے ضلع میں قادیان جو احمدیت کا مرکز ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو قادیان میں پیدا کیا، گجرات کا ضلع سب سے پہلے احمدیت میں آگے بڑھا۔ ایک وقت تھا جب گجرات کے احمدی سب سے زیادہ تھے اور سیالکوٹ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا دوسرا وطن ہے۔ ان اضلاع کی آبادی کثرت سے اضلاع سرگودھا، منٹگمری، لائلپور اور ملتان کے اضلاع میں جا کر آباد ہوئی۔ اس لئے ان اضلاع کی طرف بھی زیادہ توجہ کرنی چاہیئے۔ مگر مَیں دیکھتا ہوں کہ سالوں پر سال گزرتے چلے جاتے ہیں اور ان میں نہ کوئی جلسہ ہوتا ہے اور نہ تبلیغ۔ جو نہایت افسوسناک بات ہے۔ پس چاہئے کہ دوست سستی اور غفلت کو دور کریں۔ تین چار ماہ کے اندر اندر ہر تحصیل یا اپنے علاقہ کے مرکزِ احمدیت میں جلسہ کر کے غور کیا جائے کہ کس طرح اور کن ذرائع سے اس علاقہ میں تبلیغ کو وسیع کیا جا سکتا ہے۔ اگر دوست اپنی ذمہ داری کو محسوس کریں تو ایک ہی سال میں ہر جگہ بیس تیس چالیس لوگ آسانی سے جماعت میں داخل ہو سکتے ہیں۔ اور صرف پنجاب میں ہی چند ماہ میں بیس تیس ہزار احمدی ہو جاتے ہیں۔ گو یہ بھی بہت تھوڑی تعداد ہے لیکن اگر یہ سلسلہ شروع ہو جائے تو جوں جوں جماعت بڑھتی جائے گی ترقی میں مزید اضافہ ہوتا جائے۔ پھر دیگر اضلاع کی تحصیلوں کو بھی اس تجویز میں شامل کیا جا سکتا ہے۔ (ایسے اضلاع پنجاب میں سولہ سترہ ہوں گے) ان کی ہر تحصیل یا اس علاقہ کے مرکز احمدیت

میں جلسہ کیا جائے۔ اور ایسی سکیم بنائی جائے کہ ہر جماعت تبلیغ میں حصہ لے سکے۔ اور ایسی تدابیر لوگوں کو بتائی جائیں کہ وہ کس طرح اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کو تبلیغ کر سکتے ہیں۔

مَیں تحریک جدید کے نوجوانوں کو بھی اس طرف توجہ دلاتا ہوں۔ وہ اگرچہ خود تو فارغ نہیں ہیں اور تعلیم حاصل کر رہے ہیں مگر اس خیال کو دوسروں میں زندہ رکھنے میں مدد دے سکتے ہیں۔ وہ اپنے اپنے وطن میں خط و کتابت کے ذریعہ دوستوں اور رشتہ داروں کو تحریک کر سکتے ہیں کہ جلسے منعقد کریں اور تبلیغ میں پورے جوش سے حصہ لیں۔ خدام الاحمدیہ مبلغوں پر اور تبلیغ کے دفتر پر اس کام کے لئے زور دے سکتے ہیں اور نوجوانوں کے اندر یہ روح پیدا کر سکتے ہیں کہ وہ بیداری کی زندگی اختیار کریں اور اگر وہ ایسا کریں تو اس کام کے لئے رستہ تیار کرنے والے ہوں گے جس پر وہ آئندہ زندگی میں چلنے والے ہیں۔"

(الفضل 21 فروری 1943ء)

---

1 : فتوح البلدان از بلاذری صفحہ 144,143 مطبوعہ قاہرہ 1319ھ

2 : اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ۙ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۭ بِاِذْنِ رَبِّهَا۔ (ابراھیم: 26,25)